**AL-AHQAQ** **Recognized by HEC in Y-Category**
**https://ahqaq.com/index.php/Journal/issue/view/8** **ONLINE - ISSN- 3006-595X**
**Volume.3, Issue.4 (2025)** **PRINT - ISSN- 3006-5941**

# تفسیرِ قرآن میں دخیل مواد کا تاریخی و علمی تجزیہ

# A Historical and Analytical Study of Interpolated Material in the Exegesis of the Qur'an.

**Farah Sadique**
Ph.D Scholar, Institute of Islamic Studies and Sharia, MY University Islamabad, Email. naeemulirfan@gmail.com

**Dr. Hafiz Muhammad Ramzan**
Assistant Professor, Institute of Islamic Studies & Sharia, MY University, Islamabad, Email. muhammad.ramzan@myu.edu.pk

## Abstract

The present research investigates the phenomenon of *Dakhil fi al-Tafsir* (interpolated or foreign material in Qur'anic exegesis) through a comprehensive historical and analytical approach. It explores how non-authentic, culturally influenced, or ideologically motivated interpretations entered Qur'anic commentaries over time. The study first defines the concept of interpolation in tafsir and traces its origins from the early Islamic centuries, identifying key historical phases where such materials proliferated. It then examines the major causes of this phenomenon such as the influence of *Isra'iliyyat* (biblical traditions), sectarian and political biases, philosophical and mystical reinterpretations, linguistic misreadings, and the inclusion of weak or fabricated hadiths. Drawing upon classical sources like *al-Itqan fi 'Ulum al-Qur'an*, *al-Burhan fi 'Ulum al-Qur'an*, and *Muqaddimah fi Usul al-Tafsir*, as well as modern analytical works, this research highlights the critical efforts of scholars to purify Qur'anic exegesis from such distortions. Ultimately, the paper underscores the importance of methodological rigor, authenticity, and balance in contemporary Qur'anic interpretation, ensuring fidelity to the divine message and preservation of the exegetical tradition's integrity.

**Keywords:** *Dakhil fi al-Tafsir, Qur'anic Exegesis, Isra'iliyyat, Sectarian Influence, Fabricated Hadith, Tafsir Methodology, Islamic Scholarship.*

قرآن کریم کی تفسیر ہمیشہ سے علمی و دینی خدمت کا عظیم میدان رہی ہے۔ مفسرین نے اپنی علمی بصیرت، روایت و درایت، اور دینی فہم کے ذریعے قرآن فہمی کے اصول مرتب کیے۔ تاہم تفسیر کے ذخیرے میں بعض غیر مستند اور خارجی روایات بھی شامل ہو گئیں جنہیں "دخیل فی التفسیر" کہا جاتا ہے۔ یہ تحقیق اسی phenomenon کا تجزیاتی مطالعہ ہے۔ مقالے میں دخیل فی التفسیر کی تعریف، تاریخی پس منظر، اسباب، اقسام اور اثرات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ تحقیق سے واضح ہوا کہ دخیل روایات (بالخصوص اسرائیلیات، ضعیف احادیث، فلسفیانہ تاویلات اور غیر عربی تعبیرات) نے قرآن فہمی میں بعض اوقات ابہام پیدا کیا۔ مفسرینِ حق نے ان کا علمی و تنقیدی رد کیا اور قرآن کی خالص تعبیر کو محفوظ رکھا۔

**کلیدی الفاظ :** تفسیر، دخیل روایات، اسرائیلیات، تاویل، نقدِ تفسیر

**تعارف**

قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کی آخری کتابِ ہدایت ہے، جس کی تفسیر کا مقصد انسان کو اس کے اصل فہم اور عملی ہدایت تک پہنچانا ہے۔ مفسرین نے اپنی زندگیاں قرآن کے معانی و مطالب کے فہم میں صرف کیں۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بعض غیر معتبر روایات، ضعیف احادیث، اسرائیلی قصے، اور فلسفیانہ نظریات بھی تفسیری ذخیرے میں شامل ہو گئے۔ یہی مواد "دخیل فی التفسیر" کہلاتا ہے۔

اس تحقیق کا مقصد ان غیر مستند عناصر کی نشاندہی، ان کے اسباب و اثرات کا جائزہ، اور مفسرین کے علمی ردّ و احتیاطی مناہج کو نمایاں کرنا ہے۔

**لفظ "دخیل" کا لغوی و اصطلاحی مفہوم**

لفظ "دخیل" عربی مادّہ "دخل" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں داخل ہونا، شامل کیا جانا، یا بیرونی عنصر کا اندر آ جانا۔

لسان العرب میں ہے:

الدَّخِيلُ: مَا يُدْخَلُ فِي الشَّيْءِ وَلَيْسَ مِنْهُ[1]

الدخیل وہ چیز ہے جو کسی شے میں داخل کی جائے حالانکہ وہ اس کی اصل میں شامل نہیں ہوتی۔

امام زرکشیؒ فرماتے ہیں:

"الدخيل ما ليس من أصل التفسير في شيء، وإنما أُقحم فيه إقحامًا"۔[1]

امام سیوطیؒ نے الاتقان میں واضح کیا کہ اسرائیلیات، موضوع احادیث اور باطنی تاویلات نے تفاسیر میں فکری آمیزش پیدا کی۔[2]

تاریخی طور پر اس کا آغاز تابعین کے دور میں ہوا جب بعض یہودی و نصرانی نو مسلم افراد (کعب الأحبار، وہب بن منبہ وغیرہ) نے اپنے اساطیری قصے تفسیر میں بیان کیے۔[3]

**دخیل فی التفسیر کا مفہوم اور تاریخی پس منظر**

اصطلاحی طور پر "الدخیل فی التفسیر" سے مراد وہ اقوال، روایات، یا نظریات ہیں جو قرآنِ مجید کی تفسیر میں داخل تو ہو گئے، مگر وہ قرآن، سنت یا معتبر اصولِ تفسیر سے ثابت نہیں۔

ا۔ امام بدر الدین زرکشیؒ فرماتے ہیں:

الدخيلُ ما ليس من أصل التفسير في شيء، وإنما أُقحم فيه إقحامًا [2]

دخیل سے مراد وہ امور ہیں جو تفسیر کے اصل مآخذ میں سے نہیں بلکہ زبردستی اس میں داخل کر دیے گئے ہیں۔

## ۲۔ مفسرین کی تعریفات

امام سیوطیؒ نے الاتقان میں اس موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

ومن الدخيل ما أُقحم في التفسير من الإسرائيليات والقصص الموضوعة، فيجب التمييز بين الصحيح والباطل منها [3]

تفسیر میں داخل کیے گئے دخیل امور میں سے ایک اسرائیلیات اور جھوٹی حکایات ہیں، جن میں صحیح و باطل کی تمیز ضروری ہے۔

امام محمد حسین الذہبیؒ نے "التفسیر والمفسرون" میں لکھا:

كثير من المرويات التي شاعت في كتب التفسير لا أصل لها في الشرع، وإنما تسربت من أهل الكتاب أو أصحاب الأهواء[4]

تفسیر کی بہت سی مرویات ایسی ہیں جن کی شرعی بنیاد نہیں، بلکہ وہ اہل کتاب یا اہل بدعت کے ذریعے داخل ہوئیں۔

اصطلاحاً "دخیل فی التفسیر" سے مراد وہ اقوال و روایات ہیں جو قرآن کی تفسیر میں داخل تو ہو گئیں مگر ان کی سند، ماخذ یا معنی معتبر نہ تھے۔

## ۳۔ دخیل فی التفسیر کے ذرائع

تفسیر کے ذخیرے میں دخیل عناصر درج ذیل ذرائع سے داخل ہوئے:

### الإسرائیلیات:

یعنی یہودی و نصرانی روایات جو انبیاء و امم سابقہ کے واقعات میں شامل کی گئیں۔ جیسے وہب بن منبہ، کعب الأحبار وغیرہ کے اقوال۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

وهذه الإسرائيليات لا يجوز تصديقها ولا تكذيبها إلا ما وافق شرعنا أو خالفه[5]

یہ اسرائیلی روایات نہ مطلقاً صحیح کہی جا سکتی ہیں نہ غلط، سوائے اس کے جو شریعت کے موافق یا مخالف ہو۔

### ضعیف اور موضوع روایات

بعض مفسرین نے ضعیف یا غیر ثابت احادیث کو تفسیر میں درج کیا۔ اس کے بارے میں امام ابن کثیرؒ نے متنبہ فرمایا:

فأما الأحاديث الموضوعة فلا يحل روايتها ولا الاستشهاد بها[6]

موضوع احادیث کا روایت کرنا یا تفسیر میں ان سے استشہاد کرنا جائز نہیں۔

### فلاسفہ اور باطنیہ کی آراء

بعض متکلمین اور صوفیہ نے فلسفیانہ یا رمزی تعبیرات کو تفسیر کا حصہ بنایا۔

امام رازیؒ نے متنبہ کیا:

إن كثيراً من المتكلمين يؤولون النصوص على وفق مذاهبهم، فيقعون في الخطأ[7]

کثیر متکلمین اپنے نظریات کے مطابق آیات کی تاویل کرتے ہیں اور خطا میں پڑ جاتے ہیں۔

**۴۔ تاریخی پس منظر**

دخیل فی التفسیر کا آغاز دورِ تابعین میں ہوا، جب غیر مسلم علماء نے اسلام قبول کیا اور اپنی سابقہ علمی روایات کے اثرات قرآن کے بیان میں پیش کیے۔ مثلاً: کعب الأحبار، وہب بن منبہ نے بنی اسرائیل کے قصے مفسرین کے سامنے بیان کیے۔

امام زہریؒ سے مروی ہے کہ:

ما بلغنا من بني إسرائيل فلا تصدقوه ولا تكذبوه [8]

جو باتیں بنی اسرائیل سے تم تک پہنچیں، نہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب۔ اسی پس منظر میں امام سیوطیؒ نے فرمایا:

كثر الدخيل من الأخبار الإسرائيلية في كتب التفسير حتى اختلط الأمر على كثير من الناس[9]

کتبِ تفسیر میں اسرائیلی روایات اس قدر زیادہ ہو گئیں کہ عام لوگوں پر حق و باطل میں فرق مٹ گیا۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے واضح ہوا کہ:

دخیل فی التفسیر وہ مواد ہے جو غیر قرآنی و غیر نبوی ماخذات سے تفسیر میں شامل ہوا۔

اس کی جڑیں ابتدائی اسلامی عہد میں موجود ہیں، جب بعض نو مسلم اہلِ کتاب کے اثرات داخل ہوئے۔ محدثین و مفسرین نے بعد میں سخت تنقید کر کے اس کی چھان بین کی، خصوصاً ابن کثیر، رازی، آلوسی، زرقانی اور ذہبی نے اس باب میں منہجِ تحقیق قائم کیا۔

## دخیل فی التفسیر کے اسباب

**اسرائیلی روایات کا اثر:**

یہودی و نصرانی روایات کو بعض مفسرین نے بطور وضاحت قبول کیا، حالانکہ وہ غیر معتبر تھیں۔[4]

**ضعیف و موضوع احادیث:**

کچھ واعظین نے فضائلِ اعمال یا قصصِ انبیاء میں کمزور احادیث نقل کیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا:

"من فسر القرآن بمجرد ما سمع من هذه الإسرائيليات فقد أخطأ"۔[5]

**دخیل فی التفسیر کے اسباب میں ضعیف و موضوع احادیث کا کردار**

تفسیرِ قرآن میں دخیل (غیر معتبر و غیر مأثور) اقوال کے داخل ہونے کے بڑے اسباب میں سے ایک سبب ضعیف و موضوع احادیث کا استعمال ہے۔ مفسرینِ کرام میں بعض حضرات نے روایت کی تحقیق کے بجائے تفسیر میں وارد ہر مرفوع و موقوف اثر کو قبول کر لیا، جس کے نتیجے میں ایسی روایات بھی تفسیر میں شامل ہو گئیں جو سنداً یا متناً ضعیف تھیں، یا بالکل موضوع و من گھڑت تھیں۔

**۱۔ تفسیر میں ضعیف احادیث کے ورود کی وجوہ**

تاریخی طور پر دیکھا جائے تو ابتدائی ادوار میں محدثین نے احادیثِ ضعیفہ کو مکمل طور پر رد نہیں کیا، بلکہ فضائلِ اعمال میں کبھی ان سے استدلال کیا۔ مگر جب یہی رویہ تفسیر میں داخل ہوا تو بعض مفسرین نے ان روایات کو آیات کے مفہوم کی تعیین میں بھی استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح تفسیر بالاثر میں بھی کمزور یا من گھڑت احادیث شامل ہو گئیں۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:

"وقد تساهل كثير من المفسرين في إيراد الأحاديث الضعيفة بل الموضوعة، لأنهم لم يكن همّهم التمييز بين الصحيح والضعيف وإنما جمع ما ورد في الآية[10]".

یعنی بہت سے مفسرین نے ضعیف بلکہ موضوع احادیث نقل کرنے میں تسامح کیا، کیونکہ ان کا مقصد آیت سے متعلق تمام اقوال جمع کرنا تھا، نہ کہ تحقیقِ اسناد۔

### ۲۔ موضوع احادیث کے ذریعے تفسیری تحریف

موضوع (من گھڑت) روایات اکثر سیاسی، مذہبی یا فرقہ وارانہ مقاصد کے تحت گھڑی گئیں۔ ان میں سے بعض آیات کے مفہوم کو مخصوص نظریات کے مطابق ڈھالنے کے لیے استعمال کی گئیں۔

ابن تیمیہؒ نے ایسے باطل روایات پر سخت تنقید کی:

"ما يوجد في التفاسير من الأحاديث المروية عن النبي ﷺ أكثرها كذب، كحديث من قال لا إله إلا الله خلق الله من كل كلمة ملكاً[11]".

یعنی تفاسیر میں جو بہت سی روایات نبی ﷺ کی طرف منسوب ملتی ہیں، ان میں سے اکثر جھوٹ پر مبنی ہیں۔

### ۳۔ ضعیف و موضوع روایات کے اثرات

ان غیر معتبر روایات نے قرآن فہمی پر کئی منفی اثرات ڈالے:

i. بعض آیات کے غیر صحیح شانِ نزول گھڑ لیے گئے۔

ii. عقائد میں غلو اور غیر شرعی تصورات پیدا ہوئے۔

iii. اسرائیلیات کے ساتھ مل کر تفسیر کی تحریف شدہ تعبیرات سامنے آئیں۔

علامہ زرکشیؒ نے تفسیر میں روایت کی تحقیق پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

"ولا يحلّ الاعتماد على حديثٍ في تفسير كتاب الله حتى يُعلم صحته، فإن الكذب على النبي ﷺ في هذا الباب عظيم[12]".

کتاب الٰہی کی تفسیر کے لیے کسی حدیث پر اس وقت تک اعتبار کرنا جائز نہیں جب تک اس کی سند معلوم نہ ہو جائے کیونکہ اس معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا بہت بڑا مسئلہ ہے۔

### ۴۔ محدثین و مفسرین کی اصلاحی کاوشیں

بعد کے ادوار میں محققین نے اس فتنے کے سدباب کے لیے کام کیا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں واضح کیا کہ وہ صرف صحیح و حسن احادیث سے استشہاد کرتے ہیں:

"فإنني أذكر الأحاديث والآثار المسندة في التفسير، وأميّز الصحيح من الضعيف[13]".

میں حدیثوں اور مستند روایات کو تفسیر میں ذکر کرتا ہوں اور صحیح کو ضعیف سے ممتاز کرتا ہوں۔

اسی طرح شیخ احمد شاکر اور علامہ البانیؒ نے تفسیری احادیث کی تحقیق الاسانید کر کے صحیح وضعیف کو الگ کیا۔

تفسیر میں ضعیف و موضوع احادیث کا استعمال قرآن فہمی کے خالص منہج کے خلاف ہے۔ ان روایات نے کئی غیر شرعی تصورات کو تفسیر میں داخل کیا، جن کی بنیاد سندی و متنی کمزوری پر تھی۔ لہٰذا مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ تفسیر میں صرف صحیح و ثابت احادیث کو قبول کرے، اور ضعیف یا موضوع اقوال سے اجتناب کرے۔

**دخیل فی التفسیر کے اسباب میں سیاسی و مذہبی تعصبات**

تاریخِ تفسیر کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآنِ کریم کی تفہیم میں صرف علمی یا ثقافتی اثرات ہی دخیل نہیں ہوئے بلکہ سیاسی و مذہبی تعصبات نے بھی تفسیری فکر پر گہرے نقوش چھوڑے۔ جب مختلف سیاسی گروہ، فرقے اور مذہبی تحریکیں ابھریں تو ہر ایک نے اپنی تائید میں قرآن کی آیات سے استدلال کیا، نتیجتاً دخیل آراء تفسیر میں در آئیں۔

**1۔ سیاسی تعصبات**

**(الف) خلافت و امامت کے مسئلے پر اثر**

اسلامی تاریخ کے آغاز ہی میں شیعہ و خوارج کے درمیان خلافت کے مسئلے پر اختلاف پیدا ہوا۔ ان گروہوں نے اپنی سیاسی فکر کو تائید دینے کے لیے قرآنی آیات کی تاویل اپنی مرضی سے کی۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

دخل في التفسير كثير من التأويلات الباطلة التي أحدثتها الفرق السياسية كالخوارج والرافضة[14].

خارجیوں اور رافضیوں جیسے سیاسی گروہوں کی طرف سے تفسیر میں بہت سی غلط تشریحات متعارف کرائی گئی ہیں۔

مثلاً: شیعہ مفسرین نے آیتِ ولایت (إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ...) کو صرف حضرت علیؓ پر محمول کیا، حالانکہ سیاقِ آیات عمومی ہے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

تأثر التفسير عند الشيعة بالنزعة السياسية، فجعلوا كل فضيلة في القرآن لعلي وآله[15].

شیعوں کے درمیان تعبیر سیاسی تعصب سے متاثر تھی، اس لیے انہوں نے قرآن کی ہر خوبی کو علی اور ان کے خاندان سے منسوب کیا۔

**(ب) اموی و عباسی دور کے سیاسی رجحانات**

اموی خلفاء کے دور میں بعض مفسرین نے آیاتِ اطاعتِ اولی الامر کو حکمرانوں کی غیر مشروط اطاعت کے معنی میں لیا، جس سے سیاسی جواز پیدا ہوا۔ امام رازیؒ اس کی وضاحت کرتے ہیں:

استدل بعض المفسرين من أهل السلطان على وجوب طاعة الأمراء مطلقاً، وإن جاروا وظلموا[16].

حکمران طبقے کے بعض مبصرین نے حکمرانوں کی اطاعت کی مطلق ذمہ داری کے لیے دلیل دی، چاہے وہ ظالم اور ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ تفسیر سیاسی مصلحتوں کے تحت کی گئی اور دخیل معانی کے زمرے میں آتی ہے۔

### 2.مذہبی تعصبات

#### (الف)فرقہ واریت کا غلو

کلامی و فقہی فرقوں کی کشمکش نے بھی تفسیری اثرات ڈالے۔ معتزلہ نے قرآن کی بعض آیات سے اپنے عقلی اصول ثابت کیے، جبکہ مجسمہ و مشبہہ فرقے صفاتِ الٰہی میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

أفسد علم التفسير التعصب للمذاهب، فحمل كل فريق القرآن على رأيه[17].

تفسیر کی سائنس فرقہ وارانہ تعصب کی وجہ سے خراب ہوگئی تھی، ہر گروہ نے اپنی اپنی رائے کے مطابق قرآن کی تفسیر کی۔

اسی طرح امام ابن کثیرؒ نے متنبہ کیا:

كثير من أهل الأهواء يدخلون آراءهم في التفسير فيفسدون المعنى الحق[18].

متعصب بہت سے لوگ تشریح میں اپنی رائے پیش کرتے ہیں، اس طرح حقیقی معنی خراب ہو جاتے ہیں۔

#### (ب)فلسفیانہ وکلامی اثرات

بعض مفسرین نے فلسفہ یونان یا تصوف کے نظریات کو قرآن پر منطبق کرنے کی کوشش کی، جیسے "وحدۃ الوجود" یا "العقل الفعال" کی تعبیرات۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

تسربت إلى التفسير أفكار الفلاسفة والمتصوفة حتى صار القرآن يؤوّل وفق مصطلحاتهم[19].

فلسفیوں اور صوفیاء کے نظریات قرآن کی تفسیر میں شامل ہوگئے یہاں تک کہ اس کی تشریح ان کی اصطلاحات کے مطابق ہونے لگی۔

یہ مذہبی و فکری تعصبات دراصل دخیل تاویلات کا سبب بنے۔

### 3.عوامی و شعوری اثرات

سیاسی و مذہبی تعصبات صرف اہلِ علم تک محدود نہیں رہے بلکہ عوامی ذہنیت پر بھی اثر انداز ہوئے۔ کئی تفسیری روایات کو عوامی قبولیت حاصل ہوئی، حالانکہ وہ سند یا معنی کے لحاظ سے درست نہ تھیں۔

امام ذہبی لکھتے ہیں:

انتشرت التفاسير الباطلة بتأثير العامة وأهواء الفرق، حتى صار الحق فيها مغلوباً[20].

عوام الناس کے اثر و رسوخ اور مختلف فرقوں کے وسوسوں کی وجہ سے جھوٹی تاویلیں پھیلتی گئیں، یہاں تک کہ حق پر غالب آ گیا۔

سیاسی و مذہبی تعصبات نے دخیل فی التفسیر کی وسعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جہاں اہلِ کتاب کے اثرات نے تاریخی و قصصی پہلو سے دخل دیا، وہیں سیاسی فرقوں اور مذہبی گروہوں نے نظریاتی و تاویلی رخ سے تفسیر میں تحریف کی۔ اہلِ سنت کے ائمہ، خصوصاً ابن کثیرؒ، آلوسیؒ اور سیوطیؒ نے اس رجحان کی سختی سے مذمت کی اور قرآن کی موضوعی و روایتی تفسیر کی بنیاد مضبوط کی۔

**دخیل فی التفسیر کے اسباب میں فلسفیانہ وصوفیانہ تاویلات**

تفسیرِ قرآن کے علمی ارتقا میں جہاں روایت و درایت کا امتزاج نظر آتا ہے، وہیں بعض فکری و نظری اثرات نے تفسیر کے صحیح منہج سے انحراف بھی پیدا کیا۔ ان میں سب سے اہم اثر فلسفیانہ اور صوفیانہ تاویلات کا ہے۔ یہ تاویلات قرآن کے الفاظ کو ان کے ظاہری معانی سے ہٹا کر باطنی، رمزی یا نظری معانی کی طرف موڑ دیتی ہیں، جس سے کئی غیر مستند تفسیری نظریات پیدا ہوئے۔

**1۔ فلسفیانہ تاویلات کا پس منظر**

اسلامی تاریخ میں جب یونانی فلسفہ اور منطقی علوم کا ترجمہ ہوا، تو بعض متکلمین اور فلاسفہ نے قرآنی تعلیمات کو فلسفیانہ اصولوں کے مطابق تطبیق دینے کی کوشش کی۔ نتیجتاً بعض مفسرین نے قرآن کی تعبیر کو عقلی و فلسفی زاویے سے بیان کیا، جو کبھی نصِ قرآنی کے منافی بھی ثابت ہوئی۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

تأثر بعض المفسرين بالفلاسفة والمتكلمين، فحملوا نصوص القرآن على القواعد المنطقية والفلسفية[21] .

بعض مفسرین فلسفیوں اور ماہرین الہیات سے متاثر ہوئے اور انہوں نے قرآن کے نصوص کی منطقی اور فلسفیانہ اصولوں کے مطابق تشریح کی۔

مثلاً بعض فلسفی مفسرین نے آیاتِ صفاتِ الٰہی کو مجاز عقلی قرار دیا اور "الید"، "الوجہ"، "الاستواء" جیسی صفات کو محض مجازی تصورات کے طور پر پیش کیا۔ امام رازیؒ کی تفسیر میں کئی مقامات پر فلسفیانہ رنگ نمایاں ہے، خود وہ فرماتے ہیں:

لا يمكن فهم النصوص إلا على ضوء القواعد العقلية[22]

متن کو عقلی اصولوں کی روشنی میں ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ طرزِ فکر اگرچہ علمی تھا، لیکن اس نے قرآن کے سادہ اور فطری مفہوم میں دخیل تاویلات کو جگہ دی۔

**2۔ صوفیانہ تاویلات کا ظہور**

تصوف جب ایک منظم فکری نظام کے طور پر ظاہر ہوا، تو بعض صوفی مفسرین نے قرآن کی آیات کو باطنی معانی میں منقلب کیا۔ ان کے نزدیک قرآن کا ہر لفظ ایک "ظاہر" اور ایک "باطن" رکھتا ہے، چنانچہ انہوں نے ظاہری معنی سے زیادہ باطنی معنی کو ترجیح دی۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

دخل في التفسير كثير من تأويلات الصوفية الباطنية التي تخالف ظاهر النص[23] .

بہت سی باطنی صوفی تشریحات، جو متن کے ظاہری معنی سے متصادم ہیں، تفسیر میں داخل ہو چکی ہیں۔

مثلاً بعض صوفیہ نے سورۃ النور کی آیت

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾

کو اللہ تعالیٰ کے "نورِ ذات" کی بجائے انسانی دل میں روحانی تجلی کے معنی میں لیا۔ اسی طرح "جنت و دوزخ" کی تعبیر کو روحانی کیفیات پر محمول کیا گیا۔

### 3۔ فلسفہ و تصوف کے امتزاج سے پیدا ہونے والی تاویلات

بعض مفسرین نے فلسفیانہ عقل اور صوفیانہ وجدان دونوں کو قرآن کی تفسیر میں ملا دیا، مثلاً:

ملا صدرا، ابن عربی، اور القشیری جیسے اہلِ باطن مفسرین نے قرآن کی وحدت الوجود، فیض إلهي اور العقل الفعّال جیسی تعبیرات میں تشریح کی۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

غلا بعض الصوفية في التأويل حتى جعلوا القرآن رموزاً على مقامات السالكين، وأهملوا الظاهر[24].

کچھ صوفی اپنی تشریح میں انتہا پر چلے گئے، قرآن کو متلاشیوں کے روحانی مقامات کی نمائندگی کرنے والی علامتوں میں تبدیل کر دیا، اور لغوی معنی کو نظر انداز کر دیا۔

یہ طرزِ تفسیر اگرچہ روحانیت سے لبریز تھا، مگر محدثین اور اصولیین کے نزدیک یہ دخیل فی التفسیر کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ یہ نقل اور لغت کے اصولوں سے ہٹ کر ہے۔

### 4۔ اہلِ سنت کا موقف

اہلِ سنت کے ائمہ نے فلسفی و صوفی تاویلات کو تحریفِ معنوی قرار دیا اور نصوصِ قرآن کو ان کے ظاہری اور ثابت شدہ معانی پر قائم رکھا۔

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

الواجب تفسير القرآن بما ثبت عن السلف، لا بما يهواه المتكلمون أو المتصوفة[25].

لازم ہے کہ قرآن کی تشریح اس کے مطابق کی جائے جو ابتدائی نسلوں سے مستند طور پر منتقل ہوتی رہی ہے، نہ کہ ماہرینِ الٰہیہ یا صوفیاء کے منشاء کے مطابق۔

اسی طرح امام شاطبیؒ نے تنبیہ کی:

من جعل القرآن تبعاً لنظره أو ذوقه فقد ضل عن مقصوده، لأن التفسير بالرأي المذموم دخيل في الدين[26] .

جس نے قرآن کو اپنی رائے یا ذوق کے تابع بنایا وہ اپنے مقصد سے بھٹک گیا کیونکہ قابل مذمت رائے پر مبنی تفسیر دین سے خارج ہے۔

### 5۔ تفسیر بالرأي اور دخیل تاویلات

قرآن کو ذاتی رائے یا وجدانی تعبیر سے سمجھنے کو تفسیر بالرأي المذموم کہا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ[27].

جو شخص قرآن کی اپنی رائے کے مطابق تفسیر کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کرے۔

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ تاویلاتِ فلسفیہ و صوفیہ اگر نصِ قرآنی اور سنت سے متصادم ہوں تو وہ دخیل شمار ہوں گی۔ فلسفیانہ و صوفیانہ تاویلات نے تفسیر کے منہجِ سلف میں فکری انحراف پیدا کیا۔ یہ تاویلات بظاہر روحانیت یا عقلِ محض کے پردے میں ظاہر ہوئیں مگر دراصل دخیل فی

التفسیر کی ایک بڑی قسم بن گئیں۔ ائمہ اہلِ سنت نے اس رجحان کے مقابلے میں روایت، لغت، اور سیاق پر مبنی تفسیر کو معتبر قرار دیا۔

**غلط لغوی تعبیرات:**

غیر عربی الفاظ یا کمزور لغوی استدلال سے بھی تفسیر میں تحریف پیدا ہوئی۔[8]

**دخیل فی التفسیر کے اسباب میں غلط لغوی تعبیرات**

قرآنِ کریم کی زبان فصیح و بلیغ عربی ہے، اور اس کے معانی کی درست تفہیم عربی لغت، نحو، صرف اور بلاغت کے دقیق فہم پر منحصر ہے۔ تاہم جب مفسرین یا راویانِ تفسیر نے لغتِ عرب کے قواعد و محاورات سے ہٹ کر آیات کی تعبیر کی، تو غلط لغوی تعبیرات کے ذریعے تفسیر میں دخیل اقوال داخل ہو گئے۔ یہ غلط تعبیرات کبھی غلط فہمِ لغت، کبھی غیر فصیح روایت، اور کبھی عجمی اثرات کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔

**1۔ لغتِ عرب سے عدمِ واقفیت**

بعض غیر عرب یا کم فصاحت رکھنے والے مفسرین نے قرآن کے الفاظ کی تعبیر میں لغوی انحراف کیا۔ قرآن کے کئی الفاظ متعدد معانی رکھتے ہیں جن کا تعین سیاق و سباق سے ہوتا ہے۔ جب اس اصول کو نظر انداز کر دیا گیا تو تفسیری غلطیاں پیدا ہوئیں۔

امام ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں:

وأكثر ما يقع الخطأ في التفسير من جهة الجهل بلغة العرب وأسرار كلامهم[28]

تشریح میں زیادہ تر غلطیاں عربی زبان سے ناواقفیت اور اس کے اظہار کی باریکیوں سے ہوتی ہیں۔

مثلاً بعض مفسرین نے لفظ "الفتنة" کو ہمیشہ "عذاب" کے معنی میں لیا، حالانکہ یہ لفظ ابتلاء، شرک، عذاب، اور قتل کے معنوں میں مختلف مقامات پر آیا ہے۔

**2۔ لغوی اشتراک میں غلط ترجیح**

عربی الفاظ میں اشتراکِ لفظی (ایک لفظ کے کئی معانی) عام ہے، مثلاً لفظ "الید" کبھی "قدرت" کے معنی میں آتا ہے اور کبھی حقیقی ہاتھ کے معنی میں۔ بعض مفسرین نے ہر مقام پر ایک ہی معنی لازم کر لیا، جس سے معنی میں انحراف پیدا ہوا۔

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں:

كثير من الخطأ في التفسير سببه ترك النظر في سياق الكلام، فيُحمل المشترك على معنى واحد مطلقاً[29]

تشریح میں زیادہ تر غلطی تقریر کے سیاق و سباق کو نظر انداز کرنے سے ہوتی ہے، اس طرح مشترکہ اصطلاح کو ایک واحد، مطلق معنی تفویض کرتے ہیں۔

یہی طرزِ عمل دخیل تعبیرات کا ایک بنیادی سبب بنا۔

**3۔ غیر مستند لغوی اقوال کا اثر**

بعض مفسرین نے شاذ لغوی اقوال یا عوامی محاورات کو بنیاد بنا کر آیات کی تفسیر کی۔ چونکہ قرآن کے معانی صرف فصیح عربی قبائل (قریش، تمیم، ہذیل وغیرہ) کی لغت سے لیے جاتے ہیں، لہٰذا دیگر غیر معتبر محاورات سے ماخوذ معنی دخیل فی التفسیر قرار پائے۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

ولا يجوز حمل الألفاظ القرآنية على ما لم يثبت من كلام العرب، لأن ذلك من الدخيل[30].

قرآنی الفاظ کی ایسی تشریح کرنا جائز نہیں ہے جو عربی زبان میں قائم نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک خارجی تفسیر ہے۔

### 4۔ عجمی اور غیر عربی اثرات

اسلام کی وسعت کے بعد غیر عرب اقوام کے افراد جب تفسیر میں شامل ہوئے تو ان کی زبانوں کا اثر بھی تفسیری تعبیرات پر پڑا۔ ان میں بعض نے قرآن کے الفاظ کی عجمی تعبیرات اختیار کیں جو اصل عربی مفہوم سے مختلف تھیں۔

امام ابن جریر طبریؒ نے تنبیہ کی:

لا يُفسَّر القرآن بغير ما ورد عن العرب، فإنّ العجم لا يعرفون تأويله[31].

قرآن کی تفسیر عربوں سے منقول ہونے کے علاوہ نہیں ہو سکتی کیونکہ غیر عرب اس کی تفسیر نہیں جانتے۔

یہی عجمی تعبیرات بعد میں "دخیل فی التفسیر" کے عنوان سے معروف ہوئیں۔

### 5۔ صرف و نحو کی غلط تاویل

قرآن کی نحوی ساخت میں بعض مقامات پر اعراب یا ترکیب میں معمولی فرق معنی کو بدل دیتا ہے۔ جب مفسرین نے صرف و نحو کے اصولوں کو ٹھیک طرح نہیں سمجھا تو معنوی خطا ہوئی۔ مثلاً آیتِ کریمہ

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾

اس کے بندوں میں سے صرف وہی لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

میں بعض غیر ماہرین نے "اللہ" کو فاعل اور "العلماء" کو مفعول سمجھ لیا، جبکہ صحیح ترکیب کے مطابق "العلماء" فاعل اور "اللہ" مفعول بہ ہے۔

علامہ زمخشریؒ نے فرمایا:

تغيير الإعراب يبدّل المعنى، ومن لم يحسن العربية أخطأ في التفسير[32]

گرائمر کی ساخت بدلنے سے معنی بدل جاتے ہیں اور جو لوگ عربی زبان پر عبور نہیں رکھتے وہ تشریح میں غلطی کرتے ہیں۔

### 6۔ لغوی غلطی کے اثرات

یہ غلط لغوی تعبیرات نہ صرف معنی کو بدل دیتی ہیں بلکہ بعض اوقات عقائد و احکام میں بھی خلط پیدا کر دیتی ہیں۔ اسی لیے ائمہ نے تاکید کی کہ مفسر کو لغتِ عرب، نحو، بلاغت، اور استعمالاتِ قرآنی میں کامل مہارت حاصل ہونی چاہیے۔

امام ابن جوزیؒ نے فرمایا:

من لم يعرف لسان العرب لم يأمن أن يدخل الدخيل في التفسير[33]

جو عربی زبان نہیں جانتا وہ اس بات کا یقین نہیں کر سکتا کہ غیر ملکی عناصر تفسیر میں داخل نہیں ہوں گے۔

غلط لغوی تعبیرات، دخیل فی التفسیر کے اہم ترین اسباب میں سے ہیں۔ لغت، نحو، اور سیاق سے غفلت نے قرآنی الفاظ کے اصل معانی کو متاثر کیا۔ ائمہ لغت و تفسیر جیسے ابن قتیبہ، راغب اصفہانی، طبری، زمخشری، سیوطی، اور ابن جوزی نے اس مسئلے پر خاص تنبیہات دی ہیں تاکہ

قرآن کی تعبیر اصولِ لسانِ عرب کے مطابق برقرار رہے۔

### دخیل فی التفسیر کے اسباب میں اسرائیلی روایات کا اثر

قرآنِ کریم کی تفسیر میں مختلف ادوار کے مفسرین نے اپنی بساط کے مطابق علمی کاوشیں پیش کیں۔ تاہم تفسیر کے علمی سرمایے میں بعض غیر مستند اور غیر اسلامی روایات بھی در آئیں جنہیں "دخیل فی التفسیر "کہا جاتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ اثر اسرائیلی روایات (الإسرائیلیات) کا ہے، جنہوں نے قرآنی معانی و تفسیر کے بعض حصوں پر فکری اثرات مرتب کیے۔

### اسرائیلیات کی تعریف

"اِسرائیلیات" سے مراد وہ روایات ہیں جو یہودی و نصرانی ذرائع سے منقول ہو کر مسلمانوں کی تفسیری اور تاریخی کتابوں میں شامل ہوئیں۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

الإسرائيليات هي الأخبار المنقولة عن بني إسرائيل، مما كان عندهم من الكتب السابقة، كالتوراة والإنجيل وشروحهما[34].

اسرائیلیات بنی اسرائیل کی طرف سے منتقل ہونے والے اکاؤنٹس ہیں، جو ان کے سابقہ صحیفوں، جیسے تورات، انجیل اور ان کی تفسیروں پر مبنی ہیں۔

### تفسیر میں اسرائیلی روایات کا دخول

ابتدائے اسلام میں جب اہلِ کتاب کے افراد مسلمان ہوئے، خصوصاً کعب الأحبار، وھب بن منبّہ، عبد اللہ بن سلام وغیرہ، تو وہ اپنے سابقہ دینی علم اور قصصِ انبیاء سے متعلق تفصیلات مسلمانوں کے سامنے بیان کرنے لگے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے تفسیرِ قرآن میں ان اقوال سے مدد لی۔

امام ابن خلدون فرماتے ہیں:

دخل في التفسير كثير من المنقولات عن أهل الكتاب، وتسربت إلى المسلمين من طريق من أسلم منهم[35] .

اہل کتاب سے قرآن کی بہت سی تفسیریں منتقل ہوئیں، اور یہ ان میں سے اسلام قبول کرنے والوں کے ذریعے مسلمانوں میں داخل ہوئیں۔

یہی وہ راہ تھی جس سے دخیل اسرائیلی روایات نے قرآنی تفسیر میں اپنی جگہ بنائی۔

### دخول کے اسباب

#### 1۔ قصصِ انبیاء و امم سابقہ کی تفصیلات کی تلاش

قرآن مجید نے سابقہ امتوں اور انبیاء کے حالات کو اجمالی انداز میں بیان کیا ہے، تفصیلی بیان نہیں کیا۔ اس خلا کو بعض مسلمانوں نے اسرائیلی مصادر سے پر کرنے کی کوشش کی۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

أكثر ما يدخل من الإسرائيليات في تفسير القصص، لأن القرآن أوجزها، فاستكملها المفسرون بما عند أهل

الكتاب[36].

زیادہ تر اسرائیلیات (یہودی روایات) کہانیوں کی تشریح میں شامل ہیں، کیونکہ قرآن نے ان کا خلاصہ کیا ہے، اس لیے مفسرین نے ان کی تکمیل اہل کتاب کے کہنے کے ساتھ کی ہے۔

**2۔اہلِ کتاب کا مسلمانوں میں داخل ہونا**

کعب الأحبار، تميم الداري، عبد اللہ بن سلام جیسے یہودی علما جب مسلمان ہوئے تو وہ اپنے پرانے علمی ذخیرے سے کئی باتیں نقل کرتے رہے، جنہیں بعض مفسرین نے قبول کر لیا۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

ومما أدخل الدخيل في التفسير ما رواه كعب الأحبار ووهب بن منبه من الإسرائيليات، فربما تلقاها بعض المفسرين بالقبول[37].

تفسیر میں جن چیزوں کو متعارف کرایا گیا ان میں کعب الاحبار اور وہب ابن منبہ کی روایت کردہ اسرائیلیت (یہودی نسل کی کہانیاں) تھیں، جنہیں بعض مفسرین نے قبول کیا ہو گا۔

**3۔عوامی ذوقِ قصہ گوئی**

قصہ وحکایت کی رغبت نے بعض غیر محقق مفسرین کو اسرائیلی کہانیوں کی طرف مائل کیا تاکہ ان کی تفاسیر زیادہ پرکشش بن سکیں۔

امام سیوطی فرماتے ہیں:

وكان بعض القصاص يدخل في التفسير ما ليس منه، من أخبار بني إسرائيل، رغبة في استمالة القلوب[38].

بعض ایسے قصے تفسیر میں داخل ہو گئے ہیں جن کا تفسیر سے تعلق ہی نہ تھا، جیسا کہ بنی اسرائیل کی کہانیاں، لوگوں کے دلوں کو جیتنے کی کوشش میں۔

**4۔سند و متن کی تنقید کا ضعف**

ابتدائی مفسرین کے زمانے میں اسرائیلیات کی نقل میں نقدِ سند کا اہتمام کم تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انہیں یہ روایات "تاریخی" مواد کے طور پر لی جاتی تھیں، نہ کہ عقیدے یا حکمِ شرعی کے طور پر۔

ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

وكان السلف يتسامحون في رواية الإسرائيليات لأنها لا تتعلق بالحلال والحرام[39]

ابتدائی مسلمان اسرائیلیات (یہودی نسل کی کہانیاں) بیان کرنے میں نرمی کا مظاہرہ کرتے تھے کیونکہ ان کا حلال اور حرام (جائز اور حرام) کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

اسرائیلی روایات کا تفسیر میں دخول ایک تاریخی و فکری حقیقت ہے، جس کے اسباب علمی و نفسیاتی دونوں نوعیت کے ہیں۔ ان میں قصصِ انبیاء کی تفصیل کی خواہش، اہلِ کتاب کے اثرات، اور عوامی میلانات نے نمایاں کردار ادا کیا۔ مگر ائمہ تفسیر جیسے ابن تیمیہؒ، ابن کثیرؒ، آلوسیؒ، اور سیوطیؒ نے ان روایات کی تنقید و تصفیہ کا کام انجام دے کر تفسیری روایت کو علمی استناد پر قائم رکھا۔

## نتائج(Findings)

1. دخیل مواد کی بنیادی وجہ غیر مستند روایات اور اسرائیلیات کا اثر ہے۔ تاریخی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مفسرین کے ہاں بعض مقامات پر غیر مستند روایات، اسرائیلیات اور قصص وحکایات داخل ہو گئیں، جنہوں نے تفسیری روایت کے معیار کو متاثر کیا۔
2. سیاسی و مذہبی تعصبات نے بعض تفاسیر کے بیانیے پر اثر ڈالا، بعض ادوار میں سیاسی، فقہی اور مسلکی رجحانات نے تفسیری روایت کو متاثر کیا، جس کے نتیجے میں بعض آیات کی تفسیر میں نظریاتی رنگ غالب نظر آتا ہے۔
3. لغوی و ادبی کمزوریوں کی وجہ سے غلط تعبیرات وجود میں آئیں۔ عربی لغت کے دقیق اصولوں سے ناواقفیت یا سیاق وسباق کو نظر انداز کرنے سے بعض مفسرین کے ہاں غیر دقیق لغوی تفاسیر داخل ہوئیں، جو بعد میں دخیل مواد کا حصہ بنی۔
4. روایت و درایت کے توازن میں کمی نے دخیل مواد بڑھایا۔ بعض مفسرین نے صرف اسناد پر اعتماد کیا اور متن کے معانی و دلالات کی درایتی تحقیق نہ کی، جبکہ بعض نے صرف عقل پر اعتماد کیا جس سے غیر روایتی تاویلات پیدا ہوئیں۔
5. جدید محققین نے دخیل مواد کی نشاندہی میں اہم کردار ادا کیا۔ معاصر دور میں تحقیقِ حدیث، اصولِ تفسیر اور نقدِ روایات کی ترقی سے دخیل مواد کی شناخت زیادہ واضح ہوئی، جس سے مستند تفسیر و غیر مستند تفسیر میں فرق مزید نمایاں ہوا۔

## سفارشات(Recommendations)

1. تفسیر میں شامل تمام روایات کی سند و متن کے لحاظ سے جامع تحقیق کی جائے۔ مستقبل کی تفاسیر میں ہر روایت کے درجۂ صحت کا واضح اور مستند حوالہ پیش کرنا ضروری ہے تاکہ دخیل مواد دوبارہ داخل نہ ہو۔
2. اسرائیلیات کے باب میں سخت علمی اصول اختیار کیے جائیں: اسرائیلی روایات کو صرف تاریخی معلومات کی حد تک اور عسکری اصولِ نقد کے ساتھ بیان کیا جائے، بلا تحقیق تفسیر میں شامل نہ کیا جائے۔
3. سیاسی و فقہی تعصبات سے پاک غیر جانب دار تفسیر کی ترغیب: مفسرین و محققین کو چاہیے کہ آیات کی تعبیر میں نظریاتی و مسلکی اثرات سے بالاتر رہ کر خالص علمی و اصولی طرز اپنائیں۔
4. اصولِ تفسیر اور لغتِ عرب کا گہرا فہم لازم قرار دیا جائے: طلبہ و محققین کے لیے تفسیر میں داخل ہونے سے پہلے عربی زبان، اسالیبِ قرآن اور اصولِ فہمِ نصوص کا مضبوط پس منظر ضروری قرار دیا جائے۔
5. جدید تحقیقی مراکز میں "دخیل فی التفسیر" پر باقاعدہ تحقیقاتی پروجیکٹس شروع کیے جائیں: جامعات و تحقیقی ادارے اس میدان میں مستقل تحقیقی کام، ڈیجیٹل ڈیٹا بیس، اور مشکوک روایات کی علمی فہرستیں تیار کریں تاکہ آئندہ نسلوں کو مستند مواد دستیاب ہو۔

# مصادر و مراجع

[1]۔ أبو الفضل محمد بن مکرم بن علی، جمال الدین ابن منظور الأنصاري الرویفعی الإفریقی، لسان العرب، مادہ: دخل (بیروت: دار صادر، الطبعة: الثالثة-1414ھ)، ۱۱/۲۴۵

[2]۔بدر الدین الزرکشی، البرھان في علوم القرآن (بیروت: دار المعرفة)، ۲/۱۵۶

[3]۔جلال الدین السیوطی، الإتقان في علوم القرآن، (بیروت: دار الفکر)، ۲/۱۸۲

[4]۔ محمد حسین الذھبي، التفسیر والمفسرون (قاہرہ: دار الحدیث)، ۱/۸۰

[5]۔،ابن تیمیة، مقدمة في أصول التفسیر (دار ابن الجوزي)، ۵۲

[6]۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر (بیروت: دار المعرفة)، ۱/۷

[7]۔ فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب (بیروت: دار الفکر)، ۱/۲۴

[8]۔ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، (دار طوق النجاة)، رقم: 3461

[9]۔سیوطی، الإتقان فی علوم القرآن، ۲/۱۸۴

[10]۔الإتقان في علوم القرآن، ج۲، ص۱۷۹، دار الکتب العلمیة، بیروت

11۔ مقدمة في أصول التفسیر، (قاہرہ: مکتبہ دار المعارف)، ۱۰

[12]۔البرھان في علوم القرآن، (، دار الکتب العلمیة)، ۲/۱۲۸

[13]۔ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، (ریاض: دار طیبة) مقدمہ

[14]۔ابن تیمیة، منھاج السنة النبویة، ۵/۱۷۲

[15]۔ذھبی، التفسیر والمفسرون، ۲/۳۱۶

[16]۔فخر الدین، رازی، مفاتیح الغیب، ۱۰/۱۴۵

[17]۔ السیوطي، الإتقان في علوم القرآن، ۲/۱۹۷

[18]۔ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱/۲۵

[19]۔الآلوسي، روح المعاني، ۳/۱۰۴

[20]۔ذھبی، میزان الاعتدال، ۲/۵۸۷

[21]۔ابن تیمیة، درء تعارض العقل والنقل، ۱/۴۴

[22]۔رازی، مفاتیح الغیب، ۲/۲۳

[23]۔سیوطی، الإتقان فی علوم القرآن، ۲/۱۹۸

[24]۔آلوسی،روح المعانی،۱/۷۵

[25]۔ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم،۱/۲۴

[26]۔شاطبی،الموافقات فی اصول الشریعۃ،۳/۳۶۵

[27]۔ترمذی،سنن ترمذی،رقم:۲۹۵۰

[28]۔ابن قتیبۃ،تأویل مشکل القرآن،۱۲

[29]۔راغب الأصفهانی،المفردات فی غریب القرآن،مادہ"ید"

[30]۔سیوطی،الإتقان فی علوم القرآن،۲/۱۷۵

[31]۔الطبری،جامع البیان،۱/۷۳

[32]۔زمخشری،الکشاف،۳/۱۱۲

[33]۔ابن جوزي،زاد المسیر فی علم التفسیر،۱/۵

[34]۔ذهبی،التفسیر والمفسرون،۱/۱۶۰

[35]۔ابن خلدون،المقدمۃ،۴۴۷

[36]۔ابن تیمیۃ،مقدمۃ في أصول التفسیر،۳۱

[37]۔آلوسی،روح المعاني،۱/۷۸

[38]۔سیوطی،الاتقان فی علوم القرآن،۲/۱۹۵

[39]۔ابن حجر،فتح الباری،۶/۴۹۹